گنڈاسا

اکھاڑہ جَم چکا تھا۔ طرفین نے اپنی اپنی ''چوکیاں'' چُن لی تھیں۔ ''پڑکوڈی'' کے کھلاڑی جسموں پر تیل مَل کر بجتے ہوئے ڈھول کے گرد گھوم رہے تھے۔ انہوں نے رنگین لنگوٹیں کس کر باندھ رکھی تھیں۔ ذرا ذرا سے سفید پھینٹے ان کے چپڑے ہوئے لانبے لانبے پٹّوں کے نیچے سے گزر کر سر کے دونوں طرف کنول کے پھولوں کے سے طُرّے بنا رہے تھے۔ وسیع میدان کے چاروں طرف گپوں اور حُقوں کے دَور چل رہے تھے اور کھلاڑیوں کے ماضی اور مستقبل کو جانچا پرکھا جا رہا تھا۔ مشہور جوڑیاں ابھی میدان میں نہیں اتری تھیں۔ یہ نامور کھلاڑی اپنے دوستوں اور عقیدت مندوں کے گھیرے میں کھڑے اس شدت سے تیل چُپڑوا رہے تھے کہ ان کے جسموں کو ڈھلتی دھوپ کی چمک نے بالکل تانبے کا سا رنگ دے دیا تھا، پھر یہ کھلاڑی بھی میدان میں آئے، انہوں نے بجتے ہوئے ڈھولوں کے گرد چکر کاٹے اور اپنی اپنی چوکیوں کے سامنے ناچتے کودتے ہوئے بھاگنے لگے اور پھر آناً فاناً سارے میدان میں ایک سرگوشی بھنور کی طرح گھوم گئی۔ ''مَولا کہاں ہے؟''

مولا ہی کا کھیل دیکھنے تو یہ لوگ دور دراز کے دیہات سے کھنچے چلے آئے تھے۔ ''مَولا کا جوڑی وال تاجا بھی تو نہیں!'' دوسرا بھنور پیدا ہوا لوگ پوربی چوکی کی طرف تیز تیز قدم اٹھاتے بڑھنے لگے، جما ہوا پڑ ٹوٹ گیا۔ منتظمین نے لمبے لمبے بیدوں اور لاٹھیوں کو زمین پر مار مار کر بڑھتے ہوئے ہجوم کے سامنے گرد کا طوفان اڑانے کی کوشش کی کہ پڑ کا ٹوٹنا اچھا شگون نہ تھا مگر جب یہ سرگوشی ان کے کانوں میں بھی پہنچی تو وہ بھی ہجوم کے ساتھ ہو لئے۔۔۔۔۔۔ اور پھر میدان میں

سیروں بارود سے بھرا ہوا گولا ایک چکرا دینے والے دھماکے سے پھٹ پڑا۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ لوگ پڑکی چوکور حدوں کی طرف واپس جانے لگے۔ مولا اپنے جوڑی وال تاجے کے ساتھ میدان میں آ گیا۔ اس نے پُھندنوں اور ڈوریوں سے سجے اور لدے ہوئے ڈھول کے گرد بڑے وقار سے تین چکر کاٹے اور پھر ڈھول کو پوروں سے چھو کر ''یا علی'' کا نعرہ لگانے کے لئے ہاتھ ہوا میں بلند کیا ہی تھا کہ ایک آواز ڈھولوں کی دھما دھم چیرتی پھاڑتی اس کے سینے پر گنڈاسا بن کر پڑی ''مُولے! اے مولے بیٹے! تیرا باپ قتل ہو گیا!''

مولا کا اُٹھا ہوا ہاتھ سانپ کے پھن کی طرح لہرا گیا اور پھر ایک دم جیسے اس کے قدموں میں پہیے نکل آئے۔ ''رنگے نے تیرے باپ کو ادھیڑ ڈالا ہے گنڈاسے سے!'' اس کی ماں کی آواز نے اس کا تعاقب کیا!

پڑ ٹوٹ گیا، ڈھول رک گئے، کھلاڑی جلدی جلدی کپڑے پہننے لگے۔ ہجوم میں افراتفری پیدا ہوئی اور پھر بھگدڑ مچ گئی۔ مولا کے جسم کا تانبا گاؤں کی گلیوں میں کوندے بکھیرتا اُڑا جا رہا تھا۔ بہت پیچھے اس کا جوڑی وال تاجا اپنے اور مولا کے کپڑوں کی گٹھڑی سینے سے لگائے بھاگا جا رہا تھا اور پھر اس کے پیچھے ایک خوف زدہ ہجوم تھا۔ جس گاؤں میں کسی شخص کو ننگے سر پھرنے کا حوصلہ نہ ہو سکتا تھا وہاں مولا صرف ایک گلابی لنگوٹ باندھے پنہاریوں کی قطاروں اور بھیڑوں، بکریوں کے ریوڑوں کو چیرتا ہوا لپکا جا رہا تھا اور جب وہ رنگے کی چوپال کے بالکل سامنے پہنچا تو سامنے ایک ہجوم میں سے پیر نور شاہ نکلے اور مولا کو للکار کر بولے۔ ''رک جا مولے!''

مولا لپکا گیا مگر پھر ایک دم جیسے اس کے قدم جکڑ لئے گئے اور وہ بت کی طرح جم کر رہ گیا۔ پیر نور شاہ اس کے قریب آئے اور اپنی پاٹ دار آواز میں بولے۔ ''تو آگے نہیں جائے گا مولے!''

ہانپتا ہوا مولا کچھ دیر پیر نور شاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا رہا، پھر بولا ''آگے

نہیں جاؤں گا پیر جی تو زندہ کیوں رہوں گا؟''۔

''میں کہہ رہا ہوں'' پیر جی ''میں'' پر زور دیتے ہوئے دبدبے سے بولے۔

مولا ہانپنے کے باوجود ایک ہی سانس میں بولتا چلا گیا۔ ''تو پھر میرے منہ پر کالک بھی مل ڈالیے اور ناک بھی کاٹ ڈالیے میری۔ مجھے تو اپنے باپ کے خون کا بدلہ چکانا ہے پیر جی، بھیڑ بکریوں کی بات ہوتی تو میں آپ کے کہنے پر یہیں سے پلٹ جاتا۔''

مولا نے گردن کو بڑے زور سے جھٹکا دے کر رنگے کے چوپال کی طرف دیکھا۔ رنگا اور اس کے بیٹے لٹھوں پر گنڈاسے چڑھائے چوپال پر تنے کھڑے تھے۔ رنگے کا بڑا لڑکا بولا۔ ''آؤ بیٹے آؤ۔ گنڈاسے کے ایک ہی وار سے پھٹے ہوئے پیٹ میں سے انتڑیوں کا ڈھیر نہ اُگلوا ڈالوں تو قادر انام نہیں۔ میرا گنڈاسا جلد باز ہے اور کبڈی کھیلنے والے لاڈلے بیٹے باپ کے قتل کا بدلا نہیں لیتے۔ روتے ہیں اور کفن کا لٹھا ڈھونڈنے چلے جاتے ہیں۔''

مولا جیسے بات ختم ہونے کے انتظار میں تھا، ایک ہی زقند میں چوپال کی سیڑھیوں پر پہنچ گیا، مگر اب کبڈی کے میدان کا ہجوم بھی پہنچ گیا تھا اور گاؤں کا گاؤں اس کے راستے میں حائل ہو گیا تھا۔ جسم پر تیل چپڑ رکھا تھا اس لئے وہ روکنے والوں کے ہاتھوں سے نکل نکل جاتا مگر پھر جکڑ لیا جاتا۔ ہجوم کا ایک حصہ رنگے اور اس کے تینوں بیٹوں کو بھی روک رہا تھا۔ چار گنڈاسے ڈوبتے ہوئے سورج کی روشنی میں جنّوں کی طرح بار بار دانت چمکا رہے تھے کہ اچانک جیسے سارے ہجوم کو سانپ سونگھ گیا۔ پیر نور شاہ قرآن مجید کو دونوں ہاتھوں میں بلند کئے چوپال کی سیڑھیوں پر آئے اور چلّائے۔ ''اس کلام اللہ کا واسطہ! اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ ورنہ بدبختو! گاؤں کا گاؤں کٹ مرے گا۔ جاؤ تمہیں اللہ اور رسول کا واسطہ! قرآن پاک کا واسطہ، جاؤ، چلے جاؤ۔''

لوگ سر جھکا کر ادھر ادھر بکھرنے لگے۔ مولا نے جلدی سے تاجے سے پٹکا لے کر ادب سے اپنے گھٹنے چھپا لئے اور سیڑھیوں پر سے اتر گیا۔ پیر صاحب قرآن مجید کو بغل میں لئے اس

کے پاس آئے اور بولے۔ ''اللہ تعالیٰ تمہیں صبر دے اور آج کے اس نیک کام کا اجر دے۔''

مولا آگے بڑھ گیا۔ تاجا اس کے ساتھ تھا اور جب وہ گلی کے موڑ پر پہنچے تو مولا نے پلٹ کر رنگے کی چوپال پر ایک نظر ڈالی۔

''تم تو رو رہے ہو مولے؟'' تاجے نے بڑے دکھ سے کہا۔

اور مولا نے اپنے ننگے بازو کو آنکھوں پر رگڑ کر کہا۔ ''تو کیا اب روؤں بھی نہیں؟''

''لوگ کیا کہیں گے۔'' تاجے نے مشورہ دیا۔

''ہاں تاجے!'' مولا نے دوسری بار بازو آنکھوں پر رگڑا۔ ''میں بھی تو یہی سوچ رہا ہوں کہ لوگ کیا کہیں گے، میرے باپ کے خون پر مکھیاں اڑ رہی ہیں اور میں یہاں گلی میں ڈرے ہوئے کتے کی طرح دم دبائے بھاگا جا رہا ہوں ماں کے گھٹنے سے لگ کر رونے کے لئے!''

لیکن مولا ماں کے گھٹنے سے لگ کر رویا نہیں۔ وہ گھر کے دالان میں داخل ہوا تو رشتہ دار اس کے باپ کی لاش تھانے اٹھا لے جانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ منہ پیٹتی اور بال نوچتی ماں اس کے پاس آئی اور ''شرم تو نہیں آتی'' کہہ کر منہ پھیر کر لاش کے پاس چلی گئی۔ مولا کے تیور اسی طرح تنے رہے۔ اس نے بڑھ کر باپ کی لاش کو کندھا دیا اور برادری کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

اور ابھی لاش تھانے نہیں پہنچی ہو گی کہ رنگے کی چوپال پر قیامت مچ گئی۔ رنگا چوپال کی سیڑھیوں پر سے اتر کر سامنے اپنے گھر میں داخل ہونے ہی لگا تھا کہ کہیں سے ایک گنڈاسا لپکا اور انتڑیوں کا ایک ڈھیر اس کے پھٹے ہوئے پیٹ سے باہر اُبل کر اس کے گھر کی دہلیز پر بھاپ چھوڑنے لگا۔ کافی دیر کی افراتفری کے بعد رنگے کے بیٹے گھوڑوں پر سوار ہو کر رپٹ کے لئے گاؤں سے نکلے، مگر جب وہ تھانے پہنچے تو یہ دیکھ کر دم بخود رہ گئے کہ جس شخص کے خلاف وہ رپٹ لکھوانے آئے ہیں وہ اپنے باپ کی لاش کے پاس بیٹھا تسبیح پر قل ھو اللہ کا ورد کر رہا تھا۔ تھانیدار سے انہوں نے بہت ہیر پھیر کی کوشش کی اور اپنے باپ کا قاتل مولا ہی کو ٹھہرایا مگر تھانیدار نے

انہیں سمجھایا کہ ''خواہ مخواہ اپنے باپ کے قتل کو ضائع کر بیٹھو گے، کوئی عقل کی بات کرو۔ ادھر یہ میرے پاس اپنے باپ کے قتل کی رپٹ لکھوا رہا ہے ادھر تمہارے باپ کے پیٹ میں گنڈاسا بھی بھونک آیا ہے۔''

آخر دونوں طرف سے چالان ہوئے، لیکن دونوں قتلوں کا کوئی چشم دید ثبوت نہ ملنے کی بنا پر طرفین بری ہو گئے اور جس روز مولا رہا ہو کر گاؤں میں آیا تو اپنی ماں سے ماتھے پر ایک طویل بوسہ ثبت کرانے کے بعد سب سے پہلے تاجے کے ہاں گیا۔ اسے بھینچ بھینچ کر گلے لگایا اور کہا۔ ''اُس روز تم اور تمہارا گھوڑا میرے کام نہ آتے تو آج میں پھانسی کی رسی میں توری کی طرح لٹک رہا ہوتا۔ تمہاری جان کی قسم جب میں نے رنگے کے پیٹ کو کھول کر رکاب میں پاؤں رکھا تو ایسا لگا کہ گھوڑے کو بھی قتل کا پتہ چل گیا ہے، آندھی بن گیا خدا کی قسم۔ اسی لئے تو لاش ابھی تھانے بھی نہیں پہنچی تھی کہ میں ہاتھ جھاڑ کر واپس بھی آ گیا۔''

سارے گاؤں کو معلوم تھا کہ رنگے کا قاتل مولا ہی ہے، مگر مولے کے چند عزیزوں اور تاجے کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ ہوا کیسے؟ پھر ایک دن گاؤں میں یہ خبر گشت کرنے لگی کہ مولا کا باپ تو رنگے کے بڑے بیٹے قادر کے گنڈاسے سے مرا تھا۔ رنگا تو صرف شکار رہا تھا بیٹوں کو۔ رات کو چوپالوں اور گھروں میں یہ موضوع چلتا رہا اور صبح کو پتہ چلا کہ قادرا اپنے کوٹھے کی چھت پر مردہ پایا گیا ہے، اور وہ بھی یوں کہ جب اس کے بھائیوں پھلے اور گلے نے اسے اٹھانے کی کوشش کی تو اس کا سر لڑھک کر نیچے گرا اور پرنالے تک لڑھکتا چلا گیا۔ رپٹ لکھوائی گئی، پولیس آئی اور مولا پھر گرفتار ہو گیا۔ مرچوں کا دھواں پیا، تپتی دوپہروں میں لوہے کی چادر پر کھڑا رہا، کتنی راتیں اسے اونگھنے تک نہ دیا گیا، مگر وہ اقبالی نہ ہوا اور آخر دو مہینوں کے بعد رہا ہو کر گاؤں میں آ نکلا اور جب اپنے آنگن میں قدم رکھا تو اُس کی ماں بھاگی ہوئی آئی۔ اس کے ماتھے پر طویل بوسہ دیا اور بولی۔ ''ابھی دو اور باقی ہیں میرے لال۔ رنگے کا کوئی نام لیوا نہ رہے، تو جبھی بتیس دھاریں

بخشوں گی۔ میرے دودھ میں تیرے باپ کا خون تھا۔ مولے! اور تیرے خون میں میرا دودھ ہے اور تیرے گنڈاسے پر میں نے زنگ نہیں چڑھنے دیا۔''

مولا اب علاقے بھر کی ہیبت بن گیا تھا۔ اس کی مونچھوں میں دو دو بل آ گئے تھے۔ کانوں میں سونے کی بڑی بڑی مُرکیاں جھجھانے لگتی تھی۔ آنکھوں میں سُرمے کی دھار کو کبھی کسی نے مِٹا ہُوا نہ دیکھا۔ خوشبودار تیل اس کے لہریئے بالوں میں آگ کی قلمیں سی جگائے رکھتا تھا۔ ہاتھی دانت کا ہلالی کنگھا اتر کر اس کی کنپٹی پر چمکنے لگا تھا۔ وہ گلیوں میں چلتا تو لٹھے کے تہبند کا کم سے کم آدھا گز تو اس کے عقب میں لوٹتا ہوا جاتا۔ باریک ململ کا پٹکا اس کے کندھے پر پڑا رہتا، اور اکثر اس کا سرا گر کر زمین پر گھسٹنے لگتا اور گھسٹتا چلا جاتا۔ مولا کے ہاتھ میں ہمیشہ اس کے قد سے بھی کہیں لمبی تیل پلی لٹھ ہوتی اور جب وہ گلی کے کسی موڑ یا کسی چوراہے پر بیٹھتا تو یہ لٹھ جس انداز سے اس کے گھٹنے سے لگتی اسی انداز سے لگی رہتی اور گلی میں سے گزرنے والوں کو اتنی جرأت نہ ہوتی تھی کہ وہ مولا کو لٹھ ایک طرف سرکانے کے لئے کہہ سکیں۔ اگر کبھی لٹھ ایک دیوار سے دوسری دیوار تک تن گئی تو لوگ آتے، مولا کی طرف دیکھتے اور پلٹ کر کسی دوسری گلی میں چلے جاتے۔ عورتوں اور بچوں نے تو وہ گلیاں ہی چھوڑ دی تھیں جہاں مولا بیٹھنے کا عادی تھا۔ مشکل یہ تھی کہ مولا کی لٹھ پر سے کسی کو الانگنے کا بھی حوصلہ نہ تھا۔ ایک بار کسی اجنبی نوجوان کا اس گلی میں سے گزر ہوا۔ مولا اس وقت دیوار سے لگا لٹھ سے دوسری دیوار کریدے جا رہا تھا۔ اجنبی آیا اور لٹھ پر سے الانگ گیا۔ ایکا ایکی مولا نے بپھر کر ٹیبک میں سے گنڈاسا نکالا اور لٹھ پر چڑھا کر بولا۔ ''ٹھہر جاؤ چھوکرے! جانتے ہو تم نے کس کی لٹھ الانگی ہے؟ یہ مولا کی لٹھ ہے، مولے گنڈاسے والے کی۔''

نوجوان مولا کا نام سنتے ہی یک لخت زرد پڑ گیا اور ہولے سے بولا۔ ''مجھے پتہ نہیں تھا، مولے۔''

مولے نے گنڈاسا اتار کر ٹیبک میں اُڑس لیا اور لٹھ کے ایک سرے کو نوجوان کے

پیٹ پر ہلکے سے دبا کر بولا۔ ''تو پھر جا کر اپنا کام کر۔'' اور پھر وہ لٹھ کو یہاں سے وہاں تک پھیلا کر بیٹھ گیا۔

مولے کا لباس، اس کی چال، اس کی مونچھیں اور سب سے زیادہ اس کا لاابالیانہ انداز، یہ سب پہلے گاؤں کے فیشن میں داخل ہوئے اور پھر علاقے بھر کے فیشن پر اثر انداز ہوئے، لیکن مولا کی جو چیز فیشن میں داخل نہ ہو سکی وہ اس کی لانبی لٹھ تھی۔ تیل پلی، پیتل کے کوکوں سے اٹی ہوئی، لوہے کی شاموں میں لپٹی ہوئی، گلیوں کے کنکروں پر بجتی اور یہاں سے وہاں تک پھیل کر آنے والوں کو پلٹا دینے والی لٹھ، اور پھر وہ گنڈاسا جس کی میان مولا کی ٹیبک تھی اور جس پر اس کی ماں زنگ کا ایک نقطہ تک نہیں دیکھ سکتی تھی۔ لوگ کہتے تھے مولا گلیوں کی نکڑوں پر لٹھ پھیلائے اور گنڈاسا چھپائے پھلے اور گلّے کی راہ تکتا رہتا ہے۔ قادرے کے قتل اور مولے کی رہائی کے بعد پھلا فوج میں بھرتی ہو کر چلا گیا تھا اور گلے نے علاقہ کے مشہور رسہ گیر چوہدری مظفر الٰہی کے ہاں پناہ لے لی تھی، جہاں وہ چوہدری کے دوسرے ملازموں کے ساتھ چناب اور راوی پر سے بیل اور گائیں بھینسیں چوری کر کے لاتا۔ چوہدری مظفر اس مال کو منڈیوں میں بیچ کر امیروں، وزیروں اور لیڈروں کی بڑی بڑی دعوتیں کرتا اور اخباروں میں نام چھپواتا اور جب چناب اور راوی کے کھوجی مویشیوں کے کُھروں کے سراغ کے ساتھ ساتھ چلتے چوہدری مظفر کے قصبے کے قریب تک پہنچتے تو جی میں کہتے ''ہمارا ماتھا پہلے ہی ٹھنکا تھا!'' اُنہیں معلوم تھا کہ اگر وہ کُھروں کے سراغ کے ساتھ ساتھ چلتے چوہدری کے گھر تک جا پہنچے تو پھر کچھ دیر کے بعد لوگ مویشیوں کی بجائے خود کھوجیوں کا کھوج لگاتے پھریں گے اور لگا نہ پائیں گے۔ وہ چوہدری کے خوف سے قصبے کے ایک طرف سے نکل کر اور تھلوں کے ریتے میں پہنچ کر یہ کہتے ہوئے واپس آ جاتے ''کُھروں کے نشان یہاں سے غائب ہو رہے ہیں۔''

مولا نے چوہدری مظفر اور اس کے پھیلے ہوئے بازوؤں کے بارے میں سن رکھا تھا۔

اسے کچھ یوں لگتا تھا جیسے علاقہ بھر میں یہ چوہدری ہی ہے جو اس کی لٹھ الانگ سکتا ہے لیکن فی الحال اسے رنگے کے دونوں بیٹوں کا انتظار تھا۔

تاجے نے اسے بہت سمجھایا کہ تجھے باپ کے خون کا بدلہ لینا تھا سو لے لیا۔ اب یہ چھٹے ہوئے بدمعاشوں کے سے چلن تجھے زیب نہیں دیتے ''کام کا نہ کاج کا، دشمن اناج کا!'' تاجے نے بڑے بھائیوں کی طرح مولا کو ڈانٹا ''اور نہیں تو اپنی زمینوں کی نگرانی کر لیا کر۔ یہ کیا بات ہوئی کہ صبح سے شام تک گلیوں میں لٹھ پھیلائے ہوئے بیٹھے ہیں اور میراثیوں، نائیوں سے خدمتیں لی جا رہی ہیں۔ تُو شاید نہیں جانتا پر جان لے تو اس میں تیرا ہی بھلا ہے کہ مائیں بچوں کو تیرا نام لے کر ڈرانے لگی ہیں، لڑکیاں تو تیرا نام سنتے ہی تھوک دیتی ہیں، کسی کو بددعا دینی ہو تو کہتی ہیں ''اللہ کرے تجھے مولا بیاہ لے جائے، سنتے ہو مولے!''

لیکن مولا تو جس بھٹی میں کودا تھا اس میں پک کر پختہ ہو چکا تھا۔ بولا ''ابے تاجے! اپنا کام کر۔ گاؤں بھر کی گالیاں سمیٹ کر میرے سامنے ان کا ڈھیر لگانے آیا ہے؟ دوستی رکھنا بڑی جی داری کی بات ہے پٹھے۔ تیرا جی چھوٹ گیا ہے تو میری آنکھوں میں دھول کیوں جھونکتا ہے، جا اپنا کام کر۔ میرے گنڈاسے کی پیاس ابھی نہیں بجھی..... جا'' اس نے لاٹھی کو کنکروں پر بجایا اور گلی کے سامنے والے مکان میں میراثی کو ہانک لگائی۔ ''ابے اب تک چلم تازہ نہیں کر چکا الو کے پٹھے! جا کر گھر والی کی گود میں سو گیا کیا؟ چلم لا!''

تاجا پلٹ گیا مگر گلی کے موڑ پر جا کر رک گیا اور مڑ کر مولے کو کچھ یوں دیکھا جیسے اس کی جواں مرگی پر پھوٹ پھوٹ کر رو دے گا۔

مولا کنکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اٹھا اور لٹھ کو اپنے پیچھے گھسیٹتا ہوا تاجے کے پاس آ کر بولا ''دیکھ تاجے مجھے ایسا لگتا ہے تو مجھ پر ترس کھا رہا ہے، اس لئے کہ کسی زمانے میں تیری میری یاری تھی، پر اب یہ یاری ٹوٹ گئی ہے۔ تاجے تو میرا ساتھ نہیں دے سکتا تو پھر ایسی یاری کو لے کر

چاٹنا ہے؟ میرے باپ کا خون اتنا سستا نہیں تھا کہ رنگے اور اس کے ایک ہی بیٹے کے خون سے حساب چک جائے۔ میرا گنڈاسا تو ابھی اس کے پوتے پوتیوں، نواسوں نواسیوں تک پہنچے گا، اس لئے جا اپنا کام کر، تیری میری یاری ختم، اس لئے مجھ پر ترس نہ کھایا کر۔ کوئی مجھ پر ترس کھائے تو آنچ میرے گنڈاسے تک جا پہنچتی ہے، جا۔''

واپس آ کر مولے نے میراثی سے چلم لے کر کش لگایا، تو سُلفہ ابھر کر بکھر گیا۔ ایک چنگاری مولا کے ہاتھ پر گری اور ایک لمحہ تک وہیں چمکتی رہی۔ میراثی نے چنگاری کو جھاڑنا چاہا تو مولا نے اس کے ہاتھ پر اس زور سے ہاتھ مارا کہ میراثی بل کھا کر رہ گیا اور ہاتھ کو ران اور پنڈلی میں دبا کر ایک طرف ہٹ گیا اور مولا گرجا۔ ''ترس کھاتا ہے حرامزادے!'' اس نے چلم اٹھا کر سامنے دیوار پر پٹخ دی اور لٹھ اٹھا کر ایک طرف چل دیا۔

لوگوں نے مولا کو ایک نئی گلی کے چوراہے پر بیٹھے دیکھا تو چونکے اور سرگوشیاں کرتے ہوئے ادھر ادھر بکھر گئے۔ عورتیں سر پر گھڑے رکھے آئیں اور ''ہائیں'' کرتی واپس چلی گئیں۔ مولا کی لٹھ یہاں سے وہاں تک پھیلی ہوئی تھی اور لوگوں کے خیال میں اس پر خون سوار تھا۔ مولا اس وقت دور مسجد کے مینار پر بیٹھی ہوئی چیل کو تکے جا رہا تھا۔

اچانک اسے کنکروں پر لٹھ کے بجنے کی آواز آئی۔ چونک کر اس نے دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکی نے اس کی لٹھ اٹھا کر دیوار کے ساتھ رکھ دی ہے اور ان لانبی سرخ مرچوں کو چن رہی ہے جو جھکتے ہوئے اس کے سر پر رکھی ہوئی گٹھڑی سے گر گئی تھیں۔ مولا سناٹے میں آ گیا۔ لٹھ کو اُلانگنا تو ایک طرف رہا، اس نے یعنی ایک عورت ذات نے لٹھ کو گندے چیتھڑے کی طرح اٹھا کر پرے ڈال دیا تھا اور اب بڑے اطمینان سے مولا کے سامنے بیٹھی مرچیں چن رہی تھی اور جب مولا نے کڑک کر کہا۔ ''جانتی ہو تم نے کس کی لاٹھی پر ہاتھ رکھا ہے؟ جانتی ہو میں کون ہوں؟'' تو اس نے ہاتھ بلند کر کے چنی ہوئی مرچیں گٹھڑی میں ٹھونستے ہوئے کہا ''کوئی سڑی لگتے ہو۔''

مولا مارے غصے کے اٹھ کھڑا ہوا۔ لڑکی بھی اٹھی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نرمی سے بولی ''اسی لئے تو میں نے تمہاری لٹھ تمہارے سر پر نہیں دے ماری۔ ایسے لُٹے لُٹے سے لگتے تھے مجھے تو تم پر ترس آ گیا تھا۔''

''ترس آ گیا تھا؟ مجھ پر؟ مولا پر؟'' مولا دھاڑا!

''مولا!'' لڑکی نے گٹھڑی کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور ذرا سی چونک گئی۔

''ہاں، مولا، گنڈاسے والا'' مولا نے ٹھسے سے کہا۔

اور لڑکی ذرا سی مسکرا کر گلی میں جانے لگی۔

مولا کچھ دیر وہاں چپ چاپ کھڑا رہا، پھر لمبی سانس لے کر دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا۔ لٹھ کو سامنے کی دیوار تک پھیلا لیا تو پرلی طرف سے ادھیڑ عمر کی ایک عورت آتی دکھائی دی۔ وہ مولا کو دیکھ کر ٹھٹکی، مولا نے لٹھ اٹھا کر ایک طرف رکھ دی اور بولا۔ ''آ جاؤ ماسی، آ جاؤ میں تمہیں کھا تھوڑا ہی جاؤں گا۔''

حواس باختہ عورت آئی اور مولے کے پاس سے گزرتے ہوئے بولی۔ ''کیسا جھوٹ بکتے ہیں لوگ۔ کہتے ہیں جہاں مولا بخش بیٹھا ہو وہاں سے باؤلا کُتا بھی دبک کر گزرتا ہے، پر تو نے میرے لیے اپنی لٹھ۔۔۔۔''

''کون کہتا ہے؟'' مولا اٹھ کھڑا ہوا۔

''سب کہتے ہیں، سارا گاؤں کہتا ہے، ابھی ابھی کنویں پر یہی باتیں ہو رہی تھیں، پر میں نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مولا بخش۔۔۔۔''

لیکن مولا اب تک اس گلی میں لپک گیا۔ جس میں ابھی ابھی نوجوان لڑکی گئی تھی۔ وہ تیز تیز چلتا گیا اور آخر دور لمبی گلی کے سرے پر وہی لڑکی جاتی نظر آئی۔ وہ بھاگنے لگا۔ آنگنوں میں بیٹھی ہوئی عورتیں دروازوں تک آ گئیں اور بچے چھتوں پر چڑھ گئے۔ مولا کا گلی میں سے بھاگ کر نکلنا

کسی حادثے کا ہی پیش خیمہ سمجھا گیا۔ لڑکی نے بھی مولا کے قدموں کی چاپ سن لی تھی۔ وہ پلٹی اور پھر وہیں جم کر کھڑی رہ گئی۔ اس نے بس اتنا ہی کیا کہ گٹھڑی کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا، چند مرچیں دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح اس کے پاؤں پر بکھر گئیں۔

''میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔'' مولا پکارا۔ ''کچھ نہیں کہوں گا تمہیں۔''

لڑکی بولی۔ ''میں ڈر کے نہیں رُکی۔ ڈریں میرے دشمن۔''

مولا رک گیا۔ پھر ہولے ہولے چلتا ہوا اس کے پاس آیا اور کہنے لگا:

''بس اتنا بتا دو تم ہو کون۔۔۔ کون ہو تم؟''

لڑکی ذرا سا مسکرا دی۔

عقب سے کسی بڑھیا کی آواز آئی۔ ''یہ رنگے کے چھوٹے بیٹے کی منگیتر راجو ہے، مولا بخش!''

مولا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر راجو کو دیکھنے لگا۔ اسے راجو کے پاس رنگا اور رنگے کا سارا خاندان کھڑا نظر آیا۔ اس کا ہاتھ ٹیک تک گیا اور پھر رسّے کی طرح لٹک گیا۔ راجو پلٹ کر بڑی متوازن رفتار سے چلنے لگی۔

مولا نے لاٹھی ایک طرف پھینک دی اور بولا۔ ''ٹھہرو راجو! یہ اپنی مرچیں لیتی جاؤ۔''

راجو رک گئی۔ مولا نے جھک کر ایک ایک مرچ چن لی اور پھر اپنے ہاتھ سے انہیں راجو کی گٹھڑی میں ٹھونستے ہوئے بولا۔ ''تمہیں مجھ پر ترس آیا تھا نا، راجو؟''

لیکن راجو ایک دم سنجیدہ ہو گئی اور اپنے راستے پر ہو لی۔ مولا بھی واپس جانے لگا۔ کچھ دور ہی گیا تھا کہ بڑھیا نے اسے پکارا۔ ''یہ تمہاری لٹھ تو یہیں رکھی رہ گئی مولا بخش!''

مولا پلٹا اور لٹھ لیتے ہوئے بڑھیا سے پوچھا۔ ''ماسی! یہ لڑکی راجو کیا یہیں کی رہنے والی ہے؟ میں نے تو اسے کبھی نہیں دیکھا۔''

''یہیں کی ہے بھی بیٹا اور نہیں بھی۔'' بڑھیا بولی۔''اس کے باپ نے لام میں دونوں بیٹوں کے مرنے کے بعد جب دیکھا کہ وہ روز ہل اٹھا کر اتنی دور کھیتوں میں نہیں جا سکتا تو گاؤں والے گھر کی چھت اکھیڑی اور یہاں سے یوں سمجھو کہ کوئی دو ڈھائی کوس دور ایک ڈھوک بنالی۔ وہیں راجو اپنے باپ کے ساتھ رہتی ہے۔ تیسرے چوتھے روز گاؤں میں سودا سلف خریدنے آجاتی ہے اور بس۔''

مولا جواب میں صرف ''ہوں'' کہہ کر واپس چلا گیا، لیکن گاؤں بھر میں یہ خبر آندھی کی طرح پھیل گئی کہ آج مولا اپنی لٹھ ایک جگہ رکھ کر بھول گیا۔ باتوں باتوں میں راجو کا ایک دو بار نام آیا مگر دب گیا۔ رنگے کے گھرانے اور مولا کے درمیان صرف گنڈاسے کا رشتہ تھا نا، اور راجو رنگے ہی کے بیٹے کی منگیتر تھی۔۔۔۔ اور اپنی جان کسے پیاری نہیں ہوتی!

اس واقعہ کے بعد مولا گلیوں سے غائب ہو گیا۔ سارا دن گھر میں بیٹھا لاٹھی سے دالان کی مٹی کریدتا رہتا اور کبھی باہر جاتا بھی تو کھیتوں، چراگاہوں میں پھر پھرا کے واپس آجاتا۔ ماں اس کے روّیے پر چونکی مگر صرف چونکنے پر اکتفا کی۔ وہ جانتی تھی کہ مولا کے سر پر بہت سے خون سوار ہیں۔ وہ بھی جو بہا دیے گئے اور وہ بھی جو بہائے نہ جا سکے۔

یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ نقارے پٹ پٹا کر خاموش ہو گئے تھے۔ گھروں میں سحری کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ دہی بلونے اور توے پر روٹیوں کے پڑنے کی آوازیں مندروں کی گھنٹیوں کی طرح پراسرار معلوم ہو رہی تھیں۔ مولا کی ماں بھی چولہا جلائے بیٹھی تھی اور مولا مکان کی چھت پر ایک چارپائی پر لیٹا آسمان کو گھورے جا رہا تھا۔ یکا یک کسی گلی میں ایک ہنگامہ مچ گیا۔ مولا نے فوراً لٹھ پر گنڈاسا چڑھایا اور چھت پر سے اتر کر گلی میں بھاگا۔ ہر طرف گلی میں لالٹینیں نکلی آ رہی تھیں اور شور بڑھ رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر مولا کو معلوم ہوا کہ تین مسافر جو نیزوں، برچھیوں سے لیس تھے، بہت سے بیلوں اور گائے بھینسوں کو گلی میں سے ہنکائے لئے جا رہے تھے کہ چوکیدار نے انہیں ٹوکا اور

جواب میں انہوں نے چوکیدار کو گالی دیتے ہوئے کہا ''یہ مال چوہدری مظفر الٰہی کا ہے۔ یہ گلی تو خیر ایک ذلیل سے گاؤں کی گلی ہے، چوہدری کا مال تو لاہور کی ٹھنڈی سڑک پر سے بھی گزرے تو کوئی اُف نہ کرے۔''

مولا کو کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے چوہدری مظفر خود بہ نفسِ نفیس گاؤں کی اس گلی میں کھڑا اس سے گنڈاسا چھیننا چاہتا ہے۔ کڑک کر بولا ''چوری کا یہ مال میرے گاؤں میں سے نہیں گزرے گا، چاہے یہ چوہدری مظفر کا ہو چاہے لاٹ صاحب کا۔ یہ مال چھوڑ کر چپکے سے اپنی راہ لو اور اپنی جان کے دشمن نہ بنو!'' اس نے لٹھ کو جھکا کر گنڈاسے کو لالٹینوں کی روشنی میں چمکایا۔ ''جاؤ۔''

مولا گھرے ہوئے مویشیوں کو لٹھ سے ایک طرف ہنکانے لگا۔ ''جا کر کہہ دو اپنے چوہدری سے کہ مولے گنڈاسے والے نے تمہیں سلام بھیجا ہے اور اب جاؤ اپنا کام کرو۔''

مسافروں نے مولا کے ساتھ سارے ہجوم کے بدلے ہوئے تیور دیکھے تو چپ چاپ کھسک گئے۔ مولا سارے مال کو اپنے گھر لے آیا اور سحری کھاتے ہوئے ماں سے کہا ''یہ سب بے زبان ہمارے مہمان ہیں۔ ان کے مالک پرسوں تک آنکلیں گے کہیں سے، اور گاؤں کی عزت میری عزت ہے ماں!''

مالک دوسرے ہی دن دوپہر کو پہنچ گئے۔ یہ غریب کسان اور مزارعے کوسوں کی مسافت طے کر کے کھوجیوں کی ناز برداریاں کرتے یہاں تک پہنچے تھے اور یہ سوچتے آ رہے تھے کہ اگر ان کا مال چوہدری کے حلقۂ اثر تک پہنچ گیا تو پھر کیا ہو گا اور جب مولا ان کا مال ان کے حوالے کر رہا تھا تو سارا گاؤں باہر گلی میں جمع ہو گیا تھا اور اس ہجوم میں راجو بھی تھی۔ اس نے اپنے سر پر اینڈوا جما کر مٹی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا۔ اور منتشر ہوتے ہوئے ہجوم میں جب راجو مولا کے پاس سے گزری تو مولا نے پوچھا۔ ''آج بہت دنوں کے بعد آئی ہو راجو۔''

''کیوں؟'' اس نے کچھ یوں کہا جیسے ''میں کسی سے ڈرتی تھوڑی ہوں'' کا تاثر پیدا

کرنا چاہتی ہے۔ ''میں تو کل آئی تھی اور پرسوں اور ترسوں بھی۔ ترسوں تھوم پیاز خریدنے آئی۔ پرسوں بابا کو حکیم کے پاس لائی تھی، کل ویسے ہی آ گئی اور آج یہ گھی بیچنے آئی ہوں۔''

''کل ویسے ہی کیوں آ گئیں؟'' مولا نے بڑے شوق سے پوچھا۔

''ویسے ہی بس جی چاہا آ گئے، سہیلیوں سے ملے اور چلے گئے، کیوں؟''

''ویسے ہی۔۔۔۔'' مولا نے بُجھ کر کہا، پھر ایک دم اسے ایک خیال آیا۔ ''یہ گھی بیچو گی؟''

''ہاں بیچنا ہے! پر تیرے ہاتھ نہیں بیچوں گی۔''

''کیوں؟''

''تیرے ہاتھوں پر میرے رشتہ داروں کا خون ہے۔''

مولا کو ایک دم خیال آیا کہ وہ اپنی لٹھ کو دالان میں اور گنڈاسے کو بستر تلے رکھ کر بھول آیا ہے۔ اس کے ہاتھوں میں چُل سی ہونے لگی۔ اس نے گلی سے ایک کنکر اُٹھایا اور اسے انگلیوں میں ملنے مسلنے لگا۔

راجو جانے کے لئے مڑی تو مولا ایک دم بولا۔ ''دیکھو راجو! میرے ہاتھوں پر خون ہے ہی، اور ان پر ابھی جانے کتنا اور خون چڑھے گا، پر تمہیں گھی بیچنا ہے اور ہمیں خریدنا ہے۔ میرے ہاتھ نہ بیچو میری ماں کے ہاتھ بیچ دو۔''

راجو کچھ سوچ کر بولی ''چلو..... آؤ''۔

مولا آگے آگے چلنے لگا۔ جاتے جاتے جانے اسے کیا وہم گزرا کہ راجو اس کی پیٹھ اور پٹھوں کو گھورے جا رہی تھی۔ ایک دم اس نے پلٹ کر دیکھا۔ راجو گلی میں چُگتے ہوئے مرغی کے چوزوں کو بڑے غور سے دیکھتی ہوئی آ رہی تھی۔ وہ فوراً بولا ''یہ چوزے میرے ہیں۔''

''ہوں گے۔'' راجو بولی۔

مولا اب آنگن میں داخل ہو چکا تھا بولا ''ماں! یہ سب گھی خرید لو۔ میرے مہمان آنے

والے ہیں تھوڑے دنوں میں۔''

راجو نے برتن اتار کر اس کے دہانے پر سے کپڑا کھولا تا کہ بڑھیا گھی سونگھ لے مگر وہ اندر چلی گئی تھی ترازو لینے، اور مولا نے دیکھا کہ راجو کی کنپٹیوں پر سنہرے روئیں ہیں اور اس کی پلکیں یوں کمانوں کی طرح مڑی ہوئی ہیں جیسے اٹھیں گی تو اس کی بھنوؤں کو مَس کر لیں گی، اور ان پلکوں پر گرد کے ذرے ہیں، اور اس کی ناک پر پسینے کے ننھے ننھے سوئی کی نوک کے سے قطرے چمک رہے ہیں، اور نتھنوں میں کچھ ایسی کیفیت ہے جیسے گھی کے بجائے گلاب کے پھول سونگھ رہی ہو۔ اس کے اوپر کے ہونٹ کی نازک محراب پر بھی پسینہ ہے اور ٹھوڑی اور نچلے ہونٹ کے درمیان ایک تِل ہے، جو کچھ یوں اچٹا ہوا سا لگ رہا ہے جیسے پھونک مارنے سے اُڑ جائے گا۔ کانوں میں چاندی کے بُندے انگور کے خوشوں کی طرح لس لس کرتے ہوئے لرز رہے ہیں اور ان بُندوں میں اُس کے بالوں کی ایک لَٹ بے طرح اُلجھی ہوئی ہے۔ مولے گنڈاسے والے کا جی چاہا کہ وہ بڑی نرمی سے اس لٹ کو چھڑا کر راجو کے کان کے پیچھے جما دے یا چھڑا کر یونہی چھوڑ دے یا اسے اپنی ہتھیلی پر پھیلا کر ایک ایک بال کو گننے لگے۔

ماں ترازو لے کر آئی تو راجو بولی۔ ''پہلے دیکھ لے ماسی، رگڑ کے سونگھ لے۔ آج صبح ہی کو تازہ تازہ مکھن گرم کیا تھا، پر سونگھ لے پہلے۔''

''نہ بیٹی میں تو نہ سونگھوں گی''۔ ماں نے کہا ''میرا تو روزہ مکروہ ہوتا ہے!'' پھر وہ راجو کو گھور گھور کر دیکھنے لگی اور کچھ دیر کے بعد بولی۔

''تو غلام علی کی بیٹی تو نہیں؟''

''ہاں!''

''تو پھر جا۔۔۔۔'' ماں نے ترازو اٹھا کر ایک طرف پٹخ دی ''تجھے حوصلہ کیسے ہوا میرے یہاں قدم دھرنے کا۔ رشتہ قتلوں کا اور سودے گھی کے، جا!''

پھر وہ مولا کی طرف مُڑی ''جن پر گنڈاسے چلانے ہیں ان سے گھی کا لین دین نہیں ہوتا میری جان! یہ گُلے کی منگیتر ہے گُلے، رنگے کے بیٹے کی!''

راجو، جس کا چہرہ کانوں تک سرخ ہو گیا تھا، جلدی سے برتن پر کپڑا باندھ کر اُٹھی اور بولی ''تمھارے سینوں میں دل ہیں یا خشخاش کے دانے۔''

مولا کے منہ پر جیسے ایک طرف اس کی ماں نے اور دوسری طرف راجو نے تھپڑ مار دیا تھا۔ وہ بھنا کر رہ گیا اور جب راجو چلی گئی تو جلتی ہوئی دوپہر میں اوپر چھت پر چڑھ گیا اور چارپائی پر لیٹ گیا۔ وہ یونہی دیر تک دھوپ میں لیٹا رہا اور جب اس کی ماں اسے اٹھانے آئی تو وہ رو رہا تھا۔

''تم رو رہے ہو مولے؟'' اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

اور مولا بولا ''تو کیا اب روؤں بھی نہیں؟''

ماں چکرا کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ وہ بیٹے کے سوال میں اپنے سوال کا جواب ڈھونڈ رہی تھی۔

اب مولا گھر میں بھی نہیں بیٹھتا تھا۔ سارا سارا دن لاری کے اڈے پر نُورے نائی کے ہاں پڑا رہتا۔ نورے نے وہاں چائے کی دکان کھول رکھی تھی۔ شام سے پہلے جب لاری آتی تو گاؤں بھر کے نوجوانوں اور بچوں کا ایک ہجوم لگ جاتا۔ سب نورے کی چائے پیتے اور ڈرائیور سے شہروں کی خبریں پوچھتے، اور مولا ان سب سے الگ ایک کھٹولے پر لیٹا آسمان کو گھورتا رہتا۔ اب لوگ مولا کے عادی ہو چکے تھے۔ وہ اس کے پاس سے حقہ تک اٹھا لاتے مگر کسی کو اس کی لٹھ کو چھونے یا اُلانگنے کی جرأت نہیں ہوئی جو وہاں کھٹولے کے ساتھ لگی لاری کے انجن تک تنی رہتی تھی۔

پھر ایک روز جب شام سے پہلے لاری آ کر رُکی اور اس میں سے مسافر اترنے لگے تو ایکا ایکی جیسے سارے اڈے پر اُلو بول گیا۔ لاری میں سے رنگے کا بیٹا گُلا اترا۔ اس کے پیچھے چار

بڑے قدرآور گبھرو اُترے اور پھر پانچوں ایک طرف جا کر کچھ باتیں کرنے لگے۔

مولا اس سناٹے سے چونکا اور چارپائی پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ہجوم سمٹ کر نورے کی دیوار کے ساتھ لگ گیا ہے اور سامنے گُلا کھڑا اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اس نے تیزی سے چارپائی پر سے نیچے پاؤں لٹکائے اور ٹیک میں سے گنڈاسا نکال کر لٹھ پر چڑھا لیا۔

''حقہ لانا نورے'' وہ پکارا، اور زردرُو نورا کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس کے پاس حقہ رکھ کر غڑاپ سے دکان کے اندر چلا گیا۔

اب پانچوں نووارد لاری سے کچھ فاصلے پر قطار میں کھڑے گھور گھور کر مولا کو دیکھنے لگے جس نے بے پروائی سے ایک لمبا کش لگا کر دھواں آسمان کی طرف اڑا دیا۔

''مولے!'' گُلے نے اسے للکارا۔

''کہو'' مولا نے ایک کش لگا کر اب کے دُھواں گُلے کی طرف اڑا دیا۔

''ہم تم سے کچھ کہنے آئے ہیں''۔

''کہو کہو''۔

''گنڈاسا ایک طرف رکھ دو۔ ہم بھی خالی ہاتھ ہیں۔''

''لو'' مولا نے لٹھ کو ایک طرف گرا دیا۔

پانچوں آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگے۔

ہجوم جیسے دیوار سے چمٹ کر رہ گیا۔ بچے بہت پیچھے ہٹ کر کمہاروں کے آوے پر چڑھ گئے تھے۔

''کیا بات ہے؟'' مولا نے گُلے سے پوچھا۔

گلا جو اَب اس کے پاس پہنچ گیا تھا بولا۔ ''تم نے چوہدری مظفر کا مال روکا تھا!''

''ہاں'' مولا نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ''پھر؟''

گلے نے کنکھیوں سے اپنے ساتھیوں کو دیکھا اور گلا صاف کر کے بولا۔ ''چوہدری نے تمہیں اس کا انعام بھیجا ہے اور کہا ہے کہ ہم یہ انعام ان سارے گاؤں والوں کے سامنے تمہارے حوالے کر دیں۔''

''انعام!'' مولا چونکا۔ ''آخر بات کیا ہے؟''

گلے نے تڑاخ سے ایک چانٹا مولا کے منہ پر مارا اور پھر بجلی کی سی تیزی سے پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔ ''یہ بات ہے۔''

تڑپ کر مولا نے لٹھ اٹھالی۔ ڈوبتے ہوئے سورج کی روشنی میں گنڈاسا شعلے کی طرح چمکا۔ پانچوں نووارد غیر انسانی تیزی سے بھاگے مگر گلا لاری کے پرلی طرف کنکروں پر پھسل کر گر گیا۔ لپکتا مولا رک گیا، اٹھا ہوا گنڈاسا جھکا اور جس زاویے پر جھکا تھا وہیں جھکا رہ گیا۔

دم بخود ہجوم دیوار سے اُچٹ اُچٹ کر آگے آ رہا تھا۔ بچے آوے کی راکھ اڑاتے بھاگتے ہوئے اتر آئے، نورا دکان میں سے باہر آ گیا۔

گلے نے اپنی انگلیوں اور پنجوں کو زمین میں یوں گاڑ رکھا تھا۔ جیسے دھرتی کے سینہ میں اتر جانا چاہتا ہے۔

اور پھر مولا، جو معلوم ہوتا تھا کچھ دیر کے لئے سکتے میں آ گیا ہے، ایک قدم آگے بڑھا، لٹھ دُور دکان کے سامنے اپنے کھٹولے کی طرف پھینک دی اور گلے کو بازو سے پکڑ کر بڑی نرمی سے اٹھاتے ہوئے بولا ''چوہدری کو میرا سلام دینا اور کہنا کہ انعام مل گیا ہے، رسید میں خود پہنچانے آؤں گا۔''

اس نے ہولے ہولے گلے کے کپڑے جھاڑے، اس کے ٹوٹے ہوئے طُرّے کو سیدھا کیا اور بولا۔ ''رسید تم ہی کو دے دیتا پر تمہیں تو دولہا بننا ہے ابھی..... اس لئے جاؤ، اپنا کام کرو۔''

گلا سر جھکائے ہولے ہولے چلتا گلی میں مڑ گیا۔

مولا آہستہ آہستہ کھاٹ کی طرف بڑھا۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا ویسے ویسے لوگوں کے قدم پیچھے ہٹ رہے تھے اور جب اس نے کھاٹ پر بیٹھنا چاہا تو اچانک کمہاروں کے آوے کی طرف سے اس کی ماں چیختی چلاتی بھاگتی ہوئی آئی اور مولا کے پاس آ کر نہایت وحشت سے بولنے لگی ''تجھے گلے نے تھپڑ مارا اور تو پی گیا چپکے سے؟ ارے تو تو میرا حلالی بیٹا تھا۔ تیرا گنڈاسا کیوں نہ اٹھا؟ تو نے.....!'' وہ اپنا سر پیٹتے ہوئے اچانک رک گئی اور بہت نرم آواز میں جیسے بہت دور سے بولی۔ ''تُو تو رو رہا ہے مولے؟''

مولے گنڈاسے والے نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے اپنا ایک بازو آنکھوں پر رگڑا اور لرزتے ہوئے ہونٹوں سے بالکل معصوم بچوں کی طرح ہولے سے بولا ''تو کیا اب روؤں بھی نہیں!''

(''سناٹا'')